غوطہ چو سنگے کے عہد حکومت 1437ء تا 1464ء میں ایک عظیم انقلاب ملک بلتستان میں رونما ہوا۔ کشمیر میں آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں مسلمان مبلغین کے ذریعے مذہب اسلام کی اشاعت شروع ہوگئی، جو امیر کبیر سید علی ہمدانی کے ہاتھوں بام عروج تک پہنچا۔

جنابِ غلام حسن حسنو نے اپنی کتاب ''تاریخ بلتستان'' ص 53 میں یہ مدت 1340 تا 1370ء لکھی ہے۔ مولوی حشمت اللہ کے مطابق یہ مدت 840 تا 850ھ ہے۔

اسی دوران سید علی ہمدانی کے خواہر زادے اور مرید شاہ اسحاق ختلانی کے مرید بانی مسلک نوربخشی سید محمد نوربخش واردِ بلتستان ہوئے، مگر ماہ وسال ان کی آمد کا مذکور نہیں۔ مولوی حشمت اللہ کو بلتستان سے جو قلمی کتاب ملی اس میں ان کی تاریخ وفات 869ھ مرقوم ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت سکردو پر غوطے سنگے، شگر پر غازی تھم اور خپلو پر شاہ اعظم کی حکومت تھی۔

مؤرخین کا خیال ہے کہ مقپون ابراہیم زندگی بھر مسلمان رہا ہوگا، لیکن اسلام کے ساتھ اس کی وابستگی کا علم نہیں ہوسکا۔ اس کے بعد بھی کئی پشتوں تک اس کے جانشینوں سمیت کوئی اسلامی نام نہیں ملتا۔ بعض مؤرخین اس سے یہ قیاس کرتے ہیں کہ شاید خود تو تاحیات مسلمان رہا ہو، لیکن اولاد کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو، یا حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خود بھی مقامی مذہب کو اختیار کرلیا ہو یا اس نے بوجہ مجبوری اپنا مذہب ظاہر ہی نہ کیا ہو، جس کی بنا پر اس کی اولاد مقامی رنگ میں رنگ گئی ہو اور بون مت یا بدھ مت کی پیرو بن گئی ہو۔ سید محمد عباس کاظمی کا تجزیہ ہے کہ مقپون ابراہیم مرتے دم تک مسلمان رہا تھا۔ البتہ اس کے جانشین مقامی رنگ میں رنگ گئے۔ [بلتی لوک گیت ص:۹]

مقپون ابراہیم کا دور تاریخی اعتبار سے 1220ء کے بعد ہے۔ اس کے سارے جانشین قدیم مذہب بون چھوس اور بدھ مت کی آمیزش سے بننے والے لاما ازم کے پیروکار بن گئے۔ اتم غوری تھم 1340ء تا 1370ء کے دوران میر سید علی ہمدانی بلتستان تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ شاید اتم غوری تھم اور ملک کی رعایا میں سے ایک کثیر تعداد مسلمان ہو گئی۔ تاہم اس وقت کے بادشاہوں اور بہت سے لوگوں کے نام غیر اسلامی ملتے ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ بلتستان میں اب تک متعدد لوگوں کے نام غیر اسلامی ہیں۔ جن میں وتھول، بقدول، کھی فرو، چھوق بی، طن چو، چھوق من، لڈنگ من وغیرہ جیسے نہ صرف غیر اسلامی بلکہ مضحکہ خیز نام بھی پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت وادیانِ قراقرم میں کوئی غیر مسلم نہیں بستا اور نہ ہی قدیم زمانے کی طرح جہالت کا دور دورہ ہے۔ اب علم کی روشنی پھیلنے کی برکت سے رفتہ رفتہ غیر اسلامی قدیم رسوم ورواج کی بیخ کنی ہونے لگی ہے۔

معاشی مسائل (قسط:2)

انشورنس اسلامی معیشت میں

ابراہیم عبداللہ یوگوی۔لیکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج چپلو

ہیئت ترکیبی کے اعتبار سے بیمہ کی اقسام:

ہیئت ترکیبی اور طریقہ کار کے اعتبار سے بیمہ کی تین قسمیں ہیں:

[1] **گروپ انشورنس** (Group Insurance): حکومت کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کرتی ہے جس میں افراد کے ایک مجموعے کو اپنے نقصان کی تلافی یا کسی فائدے کے حصول کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ مثلاً ملازمین کی تنخواہوں میں سے تھوڑی سی رقم ہر ماہ کاٹ کر اسے ایک فنڈ میں جمع کر لیتی ہے، پھر کسی ملازم کی وفات یا کسی حادثے کی صورت میں بھاری رقم ادا کرتی ہے۔

[2] **میوچل انشورنس** (Mutual Insurance): اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے خطرات و مفادات ایک جیسے ہوتے ہیں، آپس میں مل کر ایک فنڈ (Fund) بنا لیتے ہیں اور یہ طے کر لیتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو کوئی حادثہ یا بڑا نقصان پیش آ جائے تو اس فنڈ سے اس کے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔اس فنڈ میں صرف ممبران کی رقم جمع ہوتی ہے اور نقصان کی تلافی بھی صرف ممبران کی حد تک ہوتی ہے۔اس کا سالانہ حساب کر لیا جاتا ہے۔اگر ادا کیے گئے معاوضات فنڈ کی رقم سے بڑھ جائیں تو اسی حساب سے ممبران سے مزید رقم وصول کر لی جاتی ہے۔اگر رقم بچ جائے تو ممبران کو واپس کر دی جاتی ہے یا ان کی طرف سے آئندہ سال کے لیے فنڈ میں بطور حصہ جمع کر لیا جاتا ہے۔

بیمے کی ابتدائی شکل یہی تھی۔اور چونکہ یہ ایک تعاونی تنظیم (Coopmtive Organization) کی طرح ہے، اس میں قمار یا سود کا کوئی شائبہ نہیں، اس لیے محققین کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔جتنے بھی علماء نے انشورنس پر گفتگو کی ہے، سب اس صورت کے جواز پر متفق ہیں۔

[3] **تجارتی بیمہ** (Commercial Insurance): تجارتی بیمہ کمپنی کا مقصد بیمے کو بطور تجارت اختیار کرنا ہوتا ہے۔اور اس کا اصل مقصد لوگوں کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا، جیسا کہ عموماً یہ تأثر دیا جاتا ہے؛ بلکہ اس کا مقصد بیمہ کے ذریعے خود نفع کمانا ہوتا ہے۔جیسے دوسری کمپنیاں مختلف کاروبار کے ذریعے نفع کماتی ہیں۔یہ کمپنی مختلف قسم کی دلچسپ

بیمہ اسکیمیں جاری کرتی رہتی ہے۔ جو شخص بیمہ کرنا چاہتا ہے کمپنی اس کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے کہ اتنی رقم کی اتنی قسطیں (Premiums) آپ ادا کریں گے اور اتنی مدت کے دوران اگر بیمہ شدہ شے ضائع ہو جائے یا اس کو نقصان پہنچ جائے تو کمپنی آپ کے نقصان کی تلافی کرے گی وغیرہ۔ آج کل کی انشورنس کمپنیاں اسی قسم کی ہیں۔

اس سلسلے میں کمپنی قسطوں کا تعین کرنے کے لیے حساب کر لیتی ہے کہ جس خطرہ (Risk) کے خلاف بیمہ کیا جاتا ہے اس کا وقوع کس حد تک متوقع ہے، تاکہ اس کا معاوضہ ادا کرنے کے بعد بھی کمپنی کو مناسب فائدہ بچ سکے۔ اس حساب کے لیے ایک مستقل فن ہے جس کا ماہر ایکچوری (Actuary) کہلاتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت میں جہاں کسی بھی قسم کی ناجائز اور معاشرے کے لیے نقصان دہ سرگرمی کی اجازت نہیں ہے، وہاں جائز اور معاشرے کے لیے فائدہ مند سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہی نہیں، بلکہ اس کی ترغیب بھی ہے۔ اسلام گداگری کو معیوب قرار دیتا ہے اور محنت مزدوری کو عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ اسلام نے اپنے مخصوص معاشی اصول بتائے ہیں جن میں حلال خوری اور جائز طریقے سے دولت کمانے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی اصول تجارت کے مطابق کسب کا طریقہ جائز اور پاک ہونا چاہیے؛ طلب رزق کے لیے کوئی خاص ذریعہ متعین نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انسانی مصالح کے تحفظ کے ضمن میں انشورنس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو اسلامی معیشت سے خارج تو نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس سلسلے میں کئی قسم کے قمار (جوا) اور سود کے عناصر کی ملاوٹ سے بچنا لازمی ہے۔ اگر کوئی ایسی پالیسی متعارف کرائی جائے جس میں سود اور جوا کا شائبہ نہ ہو تو اس کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ڈاکٹر عنایت اللہ صدیقی انشورنس کو انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''انشورنس ایک بنیادی ضرورت ہے۔ یہ بات ان تمام حادثات اور ان کے مالی عواقب کے بارے میں درست ہے، جن سے ایک آدمی دوچار ہو سکتا ہے۔ اچانک موت، معذوری، علالت، بے روزگاری، آتش زدگی، سیلاب، ژالہ باری، غرقابی اور نقل و حمل سے متعلق حادثات اور ان کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصانات کے مخصوص اختیاری عمل پیسے وغیرہ پر مبنی نہیں ہیں۔ جس کے نتیجے میں اکثر اوقات متاثر ہونے والا فرد اور اس کا خاندان حقیقی محتاجی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان کے نتیجے میں بہرصورت افراد کی وہ معاشی کارکردگی متاثر ہوتی ہے جس کا انحصار مال و املاک پر ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ زندگی کے ایک بڑے دائرے میں انشورنس کو بنیادی انسانی ضرورت کا درجہ دیا جائے۔ [**انشورنس اسلامی معیشت میں ص ۸۰۔۸۱**]

بلاشبہ انسانی زندگی میں اونچ نیچ، غم و خوشی آتی رہتی ہے، یہ انسانی زندگی کا حصہ ہے۔ اگر یہ چیزیں بالکل نہ ہوں تو

زندگی بے کیف ہو کر رہ جائے۔ تاہم ان وجوہات کی بنا پر انشورنس کو بنیادی انسانی ضرورت قرار دینا درست نہیں؛ اس لیے کہ عموماً مصیبت زدہ لوگوں کے مسائل کسی نہ کسی طریقے سے حل ہو جاتے ہیں۔ بنیادی ضرورت تو وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کے بغیر زندگی نہ گزاری جا سکے۔ پھر یہ ایک ایسا نظام ہے جو حرام خوری کے دروازے کھول دیتا ہے۔

آج کل انشورنس کا جو نظام رائج ہے وہ سراسر سود اور جوئے کے اصولوں پر قائم ہے، جسے نعیم صدیقی نے بجا طور پر ''ظلم'' سے تعبیر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''انشورنس کا موجودہ سسٹم جسے سرمایہ دارانہ نظام نے تشکیل دیا ہے' ایک نظر فریب قسم کا نظام ہے۔ اس نظام کے تحت غریبوں سے اکٹھے کیے ہوئے سرمائے کے بھاری منافع بڑے بڑے کاروباری اداروں، بنکوں اور خود انشورنس کمپنیوں میں بٹ جاتے ہیں۔

نیز بیمہ کمپنیوں کے ڈائریکٹر تو بڑی چیز ہوتے ہیں، ان کے ایجنٹ تک اتنے بڑے بڑے کمیشن اور سفر خرچ وصول کرتے ہیں کہ سرکاری عہدوں پر رہ کر اتنی رقم کمائی نہیں جا سکتی۔ چند سال کی محنت سے جو ایجنٹ ایک مقررہ مدت میں کچھ وثیقہ دار (Policy holder) فراہم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ بقیہ ساری عمر بغیر کام کاج کیے اچھے معیار کی زندگی گزار سکتا ہے۔'' [**بیمہ زندگی اسلامی نقطہ نگاہ سے ص۲۸**]

استاد ابوزہرہ انشورنس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: ''اگرچہ اس کی اصلیت تعاون محض تھی، لیکن اس کا انجام بھی ہر اس ادارے کی طرح ہوا جو ساہوکاروں کے ہاتھ میں پڑا، یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد ﴿**وتعاونوا علی البر والتقوی**﴾ پر تھی' ایک ایسے تجارتی نظام میں تبدیل کر دیا؛ جس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں پائے جاتے ہیں۔'' [**اسلام اور جدید اقتصادی نظریات ص۴۰۴**]

بیمہ کمپنیاں عوام الناس کو اور خصوصاً غریب لوگوں کو بڑے سبز باغ دکھاتی ہیں اور میڈیا کے ذریعے نفسیاتی سحر کاری اور حسابی جادوگری کے ساتھ عوام کو محفوظ مستقبل کے سہانے خواب دکھاتی ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کے جال میں پھنس جائیں اور اپنا سرمایہ ان کے حوالے کر کے اپنے آپ کو محفوظ تصور کر لیں۔ حالانکہ جو لوگ غیر شرعی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، درحقیقت ان کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ:

اولاً: دنیاوی طور پر بیمہ کمپنیاں جو کچھ عوام کی جمع پونجی سے کماتی ہیں، ان سے اصل فائدہ تو وہی طبقہ اٹھاتا ہے' جس کے پاس پہلے ہی ضرورت سے زیادہ دولت سمٹ رہی ہوتی ہے اور حقیر سا یعنی برائے نام مفاد عوام کا ہوتا ہے۔

ثانیاً: ہم بحیثیت مسلمان آخرت اور جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اور آخرت کو ہی ابدی زندگی مانتے ہیں۔ اسلامی